Jan
2025

رائے بریلی

ماہنامہ

پیام عرفات

درندہ صفت لوگ

’’آج دنیا میں ایسے درندہ صفت انسانوں کی ایک بھیڑ ہے جو جنگل راج قائم کرنا چاہتی ہے، یہ وہ انسان ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے بے بہرہ بلکہ اس کے سخت مخالف ہیں، یہ درندے ہر قوم میں ہو سکتے ہیں، اس وقت خاص طور پر قوم یہود جس کو انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہونے کا دعویٰ ہے، سب سے بڑھ کر نبیوں کی تعلیمات سے دور نظر آتی ہے، اس قوم نے اپنے سازشی ذہن سے ہمیشہ دنیا کو مصیبت میں ڈالا اور اس وقت مشرقِ وسطیٰ میں اس نے جو قیامت ڈھائی ہے وہ انسانی تاریخ کی ایک بھیانک داستان شمار کی جائے گی۔‘‘ (اداریہ)

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

اسلامی نظام زندگی کو عام کرنے کی ضرورت

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

''موجودہ عہد کی یہ عجیب وغریب منطق ہے جس کو اسلام دشمن اپنا رہے ہیں کہ وہ اسلام پر طاقت استعمال کرنے کی تہمت لگا کر خود اسلام کے خلاف تلوار استعمال کرنے کا جواز پیدا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں پر الزام لگایا جارہا ہے کہ انہوں نے طاقت کا استعمال کر کے اسلام کو پھیلایا، اس بہانے ان کے خلاف طاقت کا استعمال کر کے اسلام مخالف افکار اور تہذیب کو پھیلایا جارہا ہے اور مسلمانوں کو اسلامی تشخص سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جارہا ہے، یہ کہہ کر کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ یہ بھی الزام لگایا جارہا ہے کہ انہوں نے عبادت گاہوں کو ڈھایا تھا اور ان کی جگہ مسجدیں بنائی تھیں، اس کے نتیجہ میں اب مسجدیں منہدم کی جارہی ہیں۔ مسلمانوں پر یہ بھی الزام لگایا جارہا ہے کہ ان کے دورِ حکومت میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ دوسرے درجہ کے شہری کا معاملہ کیا گیا، لہٰذا مسلمانوں کے ساتھ بھی موجودہ غیر مسلم حکومتوں میں اکثریت کی طرف سے دوسرے درجہ کے شہری کا معاملہ کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں پر یہ بھی الزام لگایا جارہا ہے کہ وہ انتہا پسند، رجعت پسند اور شدت پسند ہیں، اس بہانہ مسلمانوں پر غیر اسلامی قانون، غیر اسلامی تہذیب تھوپی جارہی ہے اور ہزاروں سال پرانی تہذیبوں کو زندہ کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی مخالفت میں کٹر انتہا پسند جماعتیں وجود میں آرہی ہیں اور حکومت ان کے ساتھ تعاون کرتی ہے اور یہ تمام تحریکیں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کر رہی ہیں۔ مسلمانوں پر عسکریت پسندی کا الزام ہے، اس الزام کے ساتھ غیر مسلم عسکری و نیم عسکری تنظیمیں علیٰ الاعلان کام کر رہی ہیں اور ان کے لیے اسلحہ رکھنے، مالی وسائل بڑھانے پر کوئی روک نہیں لگائی جاتی۔ مسلمان اگر کہیں حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان کو علیحدگی پسند کہا جاتا ہے، اگر مسلمان ملکوں میں غیر مسلم کوئی تحریک چلاتے ہیں تو اس کو آزادی کی تحریک کہا جاتا ہے۔ یہ سب اسلام دشمنی اور حق مبین سے عداوت رکھنے کی ذہنیت کا ایک حصہ ہے، جو ذہنیت زبان ووطن کے بدلنے سے بدلتی نہیں، کیونکہ نفرت وعداوت اور حسد وانکار کی ذہنیت یکساں ہوتی ہے۔

اس ذہنیت کے حل اور علاج کا راستہ بھی ایک ہے، وہ ہے صبر وتحمل اور ایجابی دعوت، اس کا حل صرف یہ ہے کہ اسلام کو ایجابی پہلو سے پیش کیا جائے، اسلامی تعلیمات کی تشریح کی جائے، اسلامی اخلاق کا اچھا مظاہرہ کیا جائے، دشمنوں کے خرافات اور دوسرے نظاموں کی کمزوریوں اور دوسری قوموں کی تاریخ کے تاریک گوشوں کو واضح کیا جائے۔ اسلامی شریعت اور دوسرے نظاموں کے نفاذ میں جو بڑا فرق ہے اس کو بھی ایجابی شکل میں پیش کیا جائے۔ یہ بتایا جائے کہ اسلام غیر مسلم کو کسی بھی تعلیم، کسی بھی منہج کو اپنانے پر مجبور نہیں کرتا اور نہ تاریخ میں کبھی مجبور کیا، وہ کسی خاص قسم کے لباس کو اختیار کرنے، کسی خاص قسم کے کھانے پینے کے طریقے کو اپنانے، کسی خاص سیاسی نظام کا پابند بنانے، یا کسی خاص ثقافت کو اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتا، ہر دین کا ہر متبع اپنے دین کی اتباع میں آزاد ہے، لیکن دوسرے مذاہب وادیان اور نظاموں کا مسئلہ ایسا نہیں ہے، وہ دوسروں کو اپنے فلسفہ کے تمام اجزاء کو قبول کرنے پر مجبور کرتے ہیں، ایک عقیدہ اختیار کرنے کی ان میں پابندی ہے۔ ضرورت ہے کہ اہل قلم اس فرق کو واضح کریں اور اسلام کے نظام کی اس خصوصیت کو عام کریں۔''

(نیا عالمی نظام اور ہم: ۵۷-۶۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۷ — جنوری ۲۰۲۵ء-رجب المرجب ۱۴۴۶ھ — شمارہ: ۱

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخداندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

حسن اخلاق کی اہمیت

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"أَحَبُّ عِبَادِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ بندہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔)

(الجامع الصغیر: ۱۷۷)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں (اداریہ).................... ۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی...
محبانِ وطن سے چند باتیں.................................. ۴
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ..........................
احتسابِ نفس اور دعوتِ عمل................................ ۶
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ...........................
ہماری ناکامی کے اسباب.................................... ۸
مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی...................................
تقویٰ کیا ہے؟.. ۱۰
بلال عبدالحی حسنی ندوی...
خلع کے شرعی احکام....................................... ۱۲
مفتی راشد حسین ندوی...
انسانی بنیادیں-ایک صالح انسانی معاشرہ کی ضامن.......... ۱۴
عبدالسبحان ناخداندوی...
چند مہلک بیماریاں.. ۱۶
محمد امین حسنی ندوی..
مغرب کی شام میں غلطیوں کا تسلسل.......................... ۱۸
زین العابدین ہاشمی ندوی...
اقوام سابقہ کے واقعات ایک نشانِ عبرت....................... ۱۹
محمد ارمغان بدایونی ندوی..

دل رُبا

نتیجۂ فکر:-ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ماہ وانجم بھی افلاک بھی دل رُبا
شہرِ آقا کی ہے خاک بھی دل رُبا
پیکرِ پاکِ سرکارؐ بھی دل نشیں
آپؐ کی سیرتِ پاک بھی دل رُبا
دل رُبائی گل وغنچہ ہی میں نہیں
کوئے طیبہ کے خاشاک بھی دل رُبا
خود لگا لیتے تھے جس میں پیوند بھی
تھی وہ آقاؐ کی پوشاک بھی دل رُبا
دل رُبا سوئے اقصیٰ نبیؐ کا سفر
اور پھر سیرِ افلاک بھی دل رُبا
آگیا جب سمجھ میں کلام آپؐ کا
ہوگئے فہم وادراک بھی دل رُبا
جو رئیسؔ انؐ کے قدموں سے مس ہوگیا
ہے وہ ہر ذرۂ خاک بھی دل رُبا

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مدیر کے قلم سے

اندھیر ہورہا ہے بجلی کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو صلاحیتیں رکھی ہیں، اس کے اعتبار سے وہ ایک کائنات ہے، اس میں خیر بھی ہے اور شر بھی، جب وہ خیر کے راستے پر آگے آتا ہے تو رشکِ ملائکہ بن جاتا ہے اور جب شر کے راستوں کو اختیار کرتا ہے تو جانوروں اور درندوں کو شرما دیتا ہے، جب جب وہ نبیوں کے راستے سے ہٹتا ہے تو اسفل سافلین میں جا پہنچتا ہے، اس کے اندر کے درندے، سانپ اور بچھو اپنا کام کرنے لگتے ہیں، پھر جانوروں کا یہ مزاج جب انسانی عقل کی رہنمائی حاصل کر لیتا ہے تو ظلم وستم کے سارے حدود پار کر جاتا ہے، وہ انسان پھر انسان کا صرف پتلہ رہ جاتا ہے، لیکن اس کے اندر کے درندے سانپ، بچھو، شیر، چیتے چیرنے پھاڑنے کے لیے اور ڈنک مارنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

جانور کہیں پلاننگ کرتے نظر نہیں آتے، وہ کوئی سنگٹھن نہیں بناتے، کبھی نہیں سنا کہ شیروں نے مل کر کسی شہر پر حملہ کر دیا ہو، یا سانپوں کی جمعیت نے ایک ساتھ کہیں ہلّہ بول دیا ہو، وہ تو اتفاقاً کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں اور عام طور پر جب کوئی ان پر حملہ آور ہو تو وہ نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کرتے ہیں، لیکن انسان کے اندر کے درندے انسانی عقل کے ساتھ آبادیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں، ملک کے ملک تہس نہس کر دیتے ہیں، بچوں اور عورتوں کو بھی روندتے چلے جاتے ہیں اور کہیں بھی ان کے ظلم کی پیاس نہیں بجھتی۔

آج دنیا میں ایسے درندہ صفت انسانوں کی ایک بھیڑ ہے جو جنگل راج قائم کرنا چاہتی ہے، یہ وہ انسان ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے بے بہرہ بلکہ اس کے سخت مخالف ہیں، یہ درندے ہر قوم میں ہو سکتے ہیں، اس وقت خاص طور پر قوم یہود جس کو انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہونے کا دعویٰ ہے، سب سے بڑھ کر نبیوں کی تعلیمات سے دور نظر آتی ہے، اس قوم نے اپنے سازشی ذہن سے ہمیشہ دنیا کو مصیبت میں ڈالا اور اس وقت مشرقِ وسطیٰ میں اس نے جو قیامت ڈھائی ہے وہ انسانی تاریخ کی ایک بھیانک داستان شمار کی جائے گی۔

افسوس ہے کہ نام نہاد مسلمانوں میں بھی کچھ ایسے درندہ صفت انسان نظر آتے ہیں، ''سیریا'' کی موجودہ صورت نے گذشتہ پچاس سالوں کا پردہ جس طرح چاک کیا ہے اس سے ہر انسان کا سر شرم سے جھک جائے۔

اس ظلم وستم کی دنیا میں افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں جو اس پر راضی ہیں، کہیں خون کی ندیاں بہائی جارہی ہیں، انسان جلائے جارہے ہیں، بچوں اور عورتوں کے پرخچے اڑائے جارہے ہیں، تو کہیں رقص وسرود کی محفلیں سجائی جارہی ہیں اور جام کے جام انڈھائے جارہے ہیں، شراب وکباب کے دور چل رہے ہیں۔

افسوس ہے اس امت پر جس کے پاس انسانیت کا آخری نظام ہے، نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات واخلاق ہیں اور بالائے افسوس ان پر جو سرزمین عرب میں ظلم وستم کے کانٹے اگا رہے ہیں، عریانیت وفحاشی کے نالے بہا رہے ہیں، جہاں سے انسانوں کو انسانیت کا سبق ملا، ہدایت کا راستہ ملا، جہاں سے صبح صادق کی پو پھوٹی اور ساری دنیا کو اس سے روشنی ملی، آج وہاں ؂

اندھیر ہورہا ہے بجلی کی روشنی میں

محبان وطن سے چند باتیں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کسی معاشرہ یا ماحول میں بے راہ روی، اصول واخلاق سے چشم پوشی، نفس اور دولت پرستی، ظلم وسفا کی کا نتیجہ اسی فرد یا افراد تک محدود نہیں رہتا جو اس کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ اس کا اثر پورے معاشرہ اور ماحول پر پڑتا ہے اور وہ پورا معاشرہ اور ماحول جس نے اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی اور اس سے آنکھیں بند کرلیں اُس کی گرفت میں آجاتا ہے۔

تاریخ بھی بتاتی ہے کہ دنیا میں کئی ایسی مستحکم سلطنتیں اور ترقی یافتہ تہذیبیں گذری ہیں جن کا دنیا میں طوطی بولتا اور ڈنکا بجتا تھا، لیکن ان میں مرورِ زمانہ سے ذہنی انتشار، اخلاقی زوال وانحطاط رونما ہوا، نفس پرستی، دولت پرستی کا لاوہ پھوٹ پڑا، انسانی حقوق پامال اور عزت وآبرو خاک میں ملائی جانے لگی، خواہشاتِ نفس کی تسکین اور ذاتی مفادات کی تکمیل پر ذہانتیں اور عملی طاقتیں صرف کی جانے لگیں، مذہبی تعلیمات اور اخلاقی قدروں سے بالکل آنکھیں بند کرلی گئیں، بلکہ ان کا مذاق اڑایا جانے لگا، محلوں اور کوٹھیوں میں دادِ عیش دی جارہی تھی اور انگریزی مثال کے مطابق ''روم جل رہا تھا'' اس زمانہ میں بھی بڑے بڑے تھنکر، فلاسفر، ادیب وشاعر اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے، وہ اپنے جوہر دکھارہے تھے اور لوگوں کو اپنی فنی مہارت اور ادبی کمالات سے مسحور کررہے تھے، لیکن معاشرہ بگڑا ہوا تھا، بازاروں میں فساد تھا، سڑکوں پر فساد تھا، خاندانوں میں فساد تھا، مختلف طبقوں میں فساد تھا، جب فساد کی یہ آندھی چلی تو رومن امپائر بھی جو اپنے قانون Roman Law، اپنے نظم ونسق، اپنی وسیع فتوحات اور شاندار نوآبادیوں اور ترقی یافتہ تہذیب اور بلند معیار زندگی کی بنا پر دنیا میں ضرب المثل تھا، اس سب کے باوجود خالق کائنات کے مقرر کردہ ترقی وزوال اور موت وحیات کے ازلی وابدی قانون سے بچ نہیں سکا، جس کی قرآن کریم نے تصویر کھینچی ہے:

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ﴾

(اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کرچکے جو اپنے سامانِ عیش پر نازاں تھیں، سوان کے یہ گھر ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے، مگر تھوڑی دیر کے لیے اور آخرکار ہم ہی مالک رہے۔)

اس تاریخی زوال وانحطاط پھر سقوط وزوال کی تاریخ اور اس کی تفصیلات آپ انگریزی کے شہرۂ آفاق مصنف وادیب گبن کی کتاب "Decline and Fall of the Roman Empire"(زوال وسقوطِ روما) کے صفحات میں پڑھ سکتے ہیں۔

آج ہندوستان میں ہم اسی حقیقت کو نظر انداز کررہے ہیں، ہمیں صرف اپنے گھر کی فکر ہے، اس وقت کا سب سے بڑا مرض وہ ہے جس کو ہمارے صوفی (سنت) اور شاعر ''نفسی نفسی'' (یعنی میں ہی میں) کہتے تھے، ہر شخص کی انانیت Ego اتنی بڑھ گئی ہے کہ ساری اخلاقی قدریں، سارے انسانی اعتبارات اور سارے قومی وملکی مفادات پس پشت پڑ گئے ہیں۔ خودغرضی، مفاد پرستی کا ایک جنون پیدا ہوگیا ہے، ہر شخص اسی فکر میں ہے کہ میں دن بھر میں کتنا کما سکتا ہوں، میں مہینے بھر میں کتنی آمدنی پیدا کرسکتا ہوں، میری تنخواہ کتنی اور میری بالائی آمدنی کتنی ہے، مجھے معاف کیجیے، آج کل بالائی آمدنی اصل ترجیح وفضیلت کا معیار Qualification ہے، شادی بیاہ کے رشتوں اور پیاموں میں بے تکلف پوچھا جاتا ہے اور تعارف وتعریف میں بھی کہا جاتا ہے کہ بالائی آمدنی کتنی ہے؟ معاف کیجیے گا؛ اس بالائی آمدنی سے بہت کم لوگ بالا وبلند ہیں۔

حضرات! اپنے گھر کی فکر کرلینا، اپنے گھر کو گلزار بنالینا اور اس کو ایک مثالی Ideal ماحول بنادینا بالکل کافی نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ

سمندر میں تو جزیرے Islands ہو سکتے ہیں، سمندر میں ہزاروں اور اس سے زائد بھی جزیرے ہوں گے، وہ ہزاروں لاکھوں برس سے اپنی جگہ پر ہیں، لیکن زمین کسی جزیرے کو قبول نہیں کر سکتی، قانونِ قدرت سمندر میں جزیروں کی اجازت دیتا ہے اور ان کی سلامتی کا ضامن ہے، قانونِ قدرت خدا کا Natural Law ہے، وہ ابدی اور دائمی ہے، وہ زمین میں جزیرہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا، آج ہم نے گھر گھر کو جزیرہ بنا رکھا ہے، شہر شہر کو جزیرہ بنا رکھا ہے، اپنی ذات اپنی برادری کو جزیرہ بنا رکھا ہے، یہ جزیرے ٹھہر نہیں سکتے، ہم آج سے دو ہزار سال پہلے کی تاریخ پڑھتے ہیں تو ان جزیروں کا نام ملتا ہے، وہ جزیرے آج تک موجود ہیں اور رہیں گے، پہاڑ لاکھوں برس سے کھڑے ہیں، لیکن سطح زمین کے لیے اللہ کا قانون دوسرا ہے، وہاں اپنی الگ دنیا نہیں بسائی جا سکتی، وہاں کے ہر خطہ کا متاثر اور مؤثر ہونا قانون قدرت ہے، اس پوری سطح زمین کے لیے خدا کا حکم، مذہب کی تعلیم اور قانون فطرت یہ ہے کہ مل جل کر رہا جائے، انسانیت ایک زنجیر مسلسل ہے، جس کی ہر کڑی دوسری کڑی سے پیوست ہے، ہر ایک کی قسمت دوسرے سے وابستہ ہے، یہاں ہر ایک ایک ہی وقت میں سائل اور مسئول ہے، ہر ایک محتاج اور محتاج الیہ ہے، قدیم مشرقی فلسفہ کی اصطلاح میں انسان ''مدنی الطبع'' ہے (یعنی فطرتاً متمدن اور اجتماعی زندگی گذارنے کا خواہشمند اور ضرورت مند ہے) یہاں جنگل کی زندگی نہیں گذاری جا سکتی کہ ایک جانور کو دوسرے جانور سے سروکار نہیں اور ہر طاقتور کو کمزور کو شکار کرنے کے لیے تیار ہے، کوئی کام باہمی صلاح ومشورہ اور تعاون سے نہیں ہوتا، ہر ملک اور ہر شہر کو ایسے حساس، شریف النفس، پر محبت خاندان کی طرح رہنا چاہیے جو دوسرے کی تکلیف سے تکلیف اور دوسرے کی خوشی سے خوشی محسوس کرے، یہاں چمن کے پھولوں، مناظر قدرت اور جمالیاتی مظاہر، اس سے آگے بڑھ کر اپنے سرمایہ ودولت اور سامان عزت ولذت سے بڑھ کر اپنے ہم وطنوں اور انسانی بھائیوں کے بچوں کو دیکھ کر خوشی محسوس ہو بلکہ پیار آئے۔

میں نے ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ اُس ملک کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جہاں لوگ خود اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش نہ ہو سکیں، وہ بچوں کو دیکھیں تو بجائے خوش ہونے اور اطمینان کا سانس لینے اور شکر کرنے کے ان پر یہ فکر غالب ہو کہ معلوم نہیں کل ان کے ساتھ کیا پیش آئے؟ کل امن وامان کی حالت کیا ہوگی؟ کوئی طوفانی جھگڑا ایسا چلے کہ یہ کلیاں پھول بننے سے پہلے مسل دی جائیں اور کہنے والا حسرت سے کہے ع

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

یہ ایک ایسی انوکھی، غیر معمولی اور استثنائی بات ہے جس کو باہر کا آدمی مشکل سے باور کر سکتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ مختصراً اس لیے کہ انسانی قدر وقیمت کا احساس نہیں، انسانیت کے رشتے سے ایک خاندان ہونے کا اور اس کی طرف کشش اور میلان ہونے کا جذبہ نہیں، معصومیت انسانی جمال وکمال سے لطف لینے، ملک کی ہر چیز کو ملک کی دولت سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی عادت نہیں، حالانکہ ہمارے اس ملک کو اس بات کا فخر ہے کہ یہاں وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے باہر کی دنیا کو بھی امن ومحبت کا پیغام دیا، اس ملک کے خمیر میں محبت ہے، پریم ہے، آپ اس ملک کی تاریخ پڑھتے ہیں، اس ملک کی تاریخ خالی مہابھارت نہیں ہے، رامائن نہیں ہے، اس ملک کی تاریخ میں محبت کی وہ داستانیں، آپس کے بھائی چارے اور ایثار وقربانی کا جذبہ چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

صاحبو! میرے لیے ایک بڑی پہیلی ہے جس کا بوجھنا مشکل ہے کہ اتنے لانبے چوڑے ملک میں چند سو آدمی بھی ایسے نہیں ہے کہ جن کو اس بڑے گھر کی فکر ہو، جو اس سے ڈر رہے ہوں کہ (ملک) پر کوئی آفت آئی تو ہماری بھی خیریت نہیں، یہاں کسی طبقے کی کمی نہیں، دانشوروں اور فضلاء کی کمی نہیں، اہل قلم، مفکرین، حکماء اور سیاسی رہنماؤں کی بھی کمی نہیں، اجتماعی خدمت Social Work کرنے والوں کی بھی کمی نہیں، لیکن آپ مجھے معاف کریں، وہ کتنے آدمی ہیں جو اس فکر میں ڈوبے میں چلے جا رہے ہوں، جن کی راتوں کی نیند اڑ رہی ہو کہ اس ملک کا کیا بنے گا؟

(ماخوذ از: ملک کی نازک صورت حال اور محبان وطن کی ذمہ داری)

احتسابِ نفس اور دعوتِ عمل

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

آج ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں تو کتنی خرابیاں ہیں جو ہم میں عام ہیں اوران کودرست کرنے کی کوئی فکرنہیں کرتا، ہمیں اپنے کو بھی درست کرنا ہے اور پھر اپنی سوسائٹی کو بھی درست کرنا ہے، تنہا اپنے کو درست کرنا کافی نہیں ہے، پہلے تو آدمی اپنے کو درست کرے، پھر سوسائٹی کودرست کرے، پھر آگے بڑھے اور دوسروں کی سوسائٹی کو درست کرنے کی فکر کرے، کم سے کم پیغام پہنچادے، اپنا فرض انجام دے دے، اپنی ذمہ داری پوری کردے، اگر اس سے کسی کو ہدایت نہیں ملتی اور اللہ کے یہاں اس کی ہدایت نہیں لکھی تو ہم صرف کوشش کرسکتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے کہا کہ تم ہدایت نہیں دے سکتے، ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ (القصص: ٥٦)

تمہارا کام صرف پیغام پہنچانا ہے اور تمہیں حق کی بات کا پہنچانا ہے۔ یہی کام مسلمانوں کے سپرد کیا گیا کہ اپنے درست کرے، اپنی سوسائٹی کو درست کرے، پھر دوسروں کی سوسائٹی تک اللہ کا پیغام پہنچائے، دوسروں کو درست کرنے کی کوشش کرے تو اللہ کا وعدہ نصرت کا ہے اور بلند مقام عطا کرنے کا ہے، تاریخ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، جب مسلمانوں نے اس پر عمل کیا تو اللہ نے ان کو بلندی عطا فرمائی، عظمت عطا فرمائی، اس کی ایک مثال نہیں متعدد مثالیں ہیں، یہ اصول قیامت تک چلے گا، جس کو بھی باعزت بننا ہے، عزت حاصل کرنی ہے اور جس کو بھی مقام حاصل کرنا ہے، اس کو اس پر عمل کرنا ہوگا جو اللہ نے اس کو اپنے رسولؐ کے ذریعہ طریقہ بتایا ہے اور جو اس میں کوتاہی کرے گا تو ظاہر ہے کہ کڑوا پھل کڑوا مزہ دے گا، میٹھا پھل میٹھا مزہ دے گا اور پھر وہ حالات پیش آتے ہیں جن حالات میں آدمی کو افسوس ہوتا ہے۔

اس وقت جو بھی دین کی خدمت ہورہی ہے، جو بھی کام ایسا ہورہا ہے جو اللہ کو پسند ہے، یہ اس کی برکت ہے کہ امت ٹھہری ہوئی ہے اور اس امت کو مصائب اس طرح نہیں پیش آرہے ہیں جس طرح پیش آنے کا خطرہ ہوسکتا ہے، لیکن جہاں غفلت ہوگی اور جہاں حالات زیادہ خراب ہوں گے، وہاں پھر وہ حالات بھی خراب ہوجائیں گے جو دنیاوی حالات کہلاتے ہیں، دنیاوی حالات دینی حالات کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، دینی حالات جب درست ہوتے ہیں تو دنیوی حالات بھی درست ہوتے ہیں، اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر درخت کی جڑیں صحیح ہیں تو درخت پھولے گا' پھلے گا اور اس میں اچھا پھل آئے گا اور اگر جڑوں میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے تو اوپر پھل بھی خراب ہوگا، ہم صرف اوپر کو دیکھتے ہیں، نیچے کو نہیں دیکھتے، ہم باہر کو دیکھتے ہیں، اندر کو نہیں دیکھتے، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم کو عزت حاصل نہیں، ہم کو وہ حیثیت حاصل نہیں، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے اعمال کیسے ہیں؟ ہماری سیرت کیسی ہے؟ ہمارے اخلاق کیسے ہیں؟ ہمارا معاشرہ کیسا ہے؟ ہم میں وہ کتنی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے صرف خلاف ہی نہیں ہیں بلکہ اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں۔

اس وقت جو صورت حال مسلمانوں کی ہے اس کو بہتر بنانے کے لیے اور اپنے تحفظ کے لیے ہم کو دین کے تحفظ کی فکر کرنی ہے، ہم جتنا دین کا اور ان تعلیمات کا تحفظ کریں گے جو ہم کو دی گئی ہیں، اتنا ہی اس دنیا میں بھی ہمارا تحفظ ہوگا اور ہم کو وہ عزت حاصل ہوگی جس عزت کے ہم طالب ہیں اور یہ صرف وعظ نہیں ہے بلکہ ایک جائزہ

ہے مسلمانوں کی تاریخ کا اور بنی اسرائیل کی تاریخ کا، اس جائزہ سے ہم کو فائدہ اٹھانا چاہیے، ہم کو یہ چاہیے کہ ہم اپنی سوسائٹی کو درست کریں، اپنے اخلاق کو درست کریں اور اس راستے کو زیادہ سے زیادہ اختیار کرنے کی کوشش کریں جس راستے سے ایک مسلمان کو عزت حاصل ہوتی ہے اور مقام حاصل ہوتا ہے، ہم کافروں کو دیکھتے ہیں، دوسری قوموں کو دیکھتے ہیں کہ ان کو یہ اعزاز حاصل ہے تو بعض وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم تو اسلام پر عمل کرنے والے ہیں، ہم اللہ اور اس کے رسول کو ماننے والے ہیں، ہم کو یہ مقام یہ عزت حاصل نہیں اور کافروں کو حاصل ہے، تو بھائی! کافروں کو جو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق صاف صاف یہ کہا ہے کہ اس کی اہمیت کو نہ سمجھو کہ کافروں کو عزت و شوکت حاصل ہے، ان کو دولت حاصل ہے، یہ صرف ان کی اسی دنیا کا فائدہ ہے، یہ صرف اسی حد تک ہے، جب تک ان کو موت نہیں آتی، تب تک یہ فائدہ اٹھانے والے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو اس کی زندگی کے صرف چند سال کا فائدہ ہے، پھر بعد میں پکڑ اور سزا ہی سزا ہے، تو کیا فائدہ ہے؟ قیامت کے بعد جب یہ زندگی ختم ہوگی تو ان کو کچھ نہیں ملے گا، اس لیے ان پر شک نہ کرو، رشک کرنے کی بات یہ ہے کہ دوسری زندگی میں جو آخرت کی زندگی ہے اس میں ہم کو کیا ملے گا؟ جو نہ ختم ہونے والی زندگی ہے، جس کو سال اور دل کے لحاظ سے کوئی شمار نہیں کرسکتا، اس زندگی میں ہم کو کیا ملے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ یہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اگر ان کا حال درست ہو تو اس زندگی میں بھی دیتا ہے اور اس زندگی میں بھرپور دیتا ہے، دنیاوی زندگی میں بقدر ضرورت دیتا ہے اور اصل وہاں دیتا ہے جو آخرت میں ملنے والا ہے اور کافروں کو تو یہ ہے کہ ان کو جو بھی ملتا ہے صرف اسی چند روزہ زندگی میں ملتا ہے اور ایک جگہ تو اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا کہ مسلمان کافروں کی دولت دیکھ کر بہک جائیں گے تو ہم کافروں کو ایسے ایسے محل دیتے کہ وہ سونے اور چاندی کے محل ہوتے، اس کے زینے اور راستے سونے اور چاندی کے ہوتے کہ مزہ اڑالیں:

﴿وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفاً مِّن فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ☆ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَاباً وَسُرُراً عَلَيْهَا يَتَّكِؤُونَ☆وَزُخْرُفاً وَإِن كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ﴾

(الزخرف: ۳۳-۳۵)

(اور اگر یہ (خیال) نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی ملت (کفر) پر آجائیں گے تو ہم ضرور رحمٰن کا انکار کرنے والوں کے لیے ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کا کردیتے اور زینے بھی جن پر وہ چڑھا کرتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور مسہریاں جن پر وہ ٹیک لگاتے ہیں اور سونے کا کردیتے جبکہ یہ سب کچھ نہیں بس صرف دنیا کی زندگی کے سامان ہیں اور آپ کے رب کے نزدیک آخرت پرہیزگاروں کے لیے ہے۔)

ان کو کچھ زیادہ ملتا ہے تو ان کو صرف دنیا کے لیے محنت کرنے پر صرف دنیا تک کے لیے ملتا ہے، یہ صرف چند برسوں کا مزہ ہے، اس سے زیادہ ان بے چاروں کو ملنا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کافروں کو اتنا نہیں دے رہے ہیں کہ اس کو دیکھ کر مسلمان بہک جائیں، ورنہ یہ چیزیں اصلاً مسلمانوں کو آخرت میں ملنے والی ہیں، اگرچہ اس دنیا کے اندر بھی اللہ تعالیٰ ان کو راحت عطا فرمائے گا، ان کی ضرورت کے مطابق ان کو عطا فرمائے گا، لیکن یہ اس وقت ہے جب ہم اللہ کو راضی کرنے کی زندگی اختیار کریں گے، ورنہ پھر وہی معاملہ ہوگا جو دوسری قوموں کے ساتھ ہوا ہے۔

ہمیں اس کی فکر کرنی چاہیے اور ہمیں اپنے کو بھی درست کرنا چاہیے اور اپنے معاشرے کو بھی اور یہ کہ ہم کو داعی بننا چاہیے تاکہ ہم اپنی ذمہ داری انجام دینے میں سرخ رو ہوں اور قیامت میں دوسری امتوں کے لیے گواہ بننے کے قابل بھی ہوسکیں۔

(ماخوذ از: حالاتِ حاضرہ اور مسلمان)

ہماری ناکامی کے اسباب

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

آج بات شروع کرتے ہیں ایک مکالمہ سے، مکالمہ آج کا نہیں ۱۹۲۳ء کا ہے، جب یورپ جنسی انارکی، اخلاقی بے راہ روی اور عریانیت وفحاشی کی ان حدوں تک نہیں پہنچا تھا جن حدوں کو وہ آج چھو رہا ہے۔ ظالمانہ مزاج تو اس کا پہلے بھی تھا، خون کے دریا تو اس نے پہلے بھی بہائے، لاشوں کے انبار تو اس نے پہلے بھی لگائے اور آج بھی اس کی درندگی، سفاکی اور خوں ریزی کا یہ سلسلہ قائم ہے، آج بھی جب ادھر سے ہوا چلتی ہے تو جلتے جسموں کی بو اور بہتے لہو کی رنگت لیے ہوتی ہے۔

یہ مکالمہ ایک فرانسیسی باشندہ اور ایک چینی سیاح کے درمیان اس وقت پیش آیا جب وہ حقیقت پسند اور صاحبِ فکر ونظر چینی سیاح یورپ کی خود غرضی، بے راہ روی، ذخیرہ اندوزی، خدا فراموشی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے وہ مناظر دیکھ کر آیا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے کوئی جوڑ نہیں رکھتے تھے، چنانچہ اس نے پوری سچائی اور حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے کرسچن دوست کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

’’میں نے پورا یورپ دیکھا، اس کی مادی ترقیوں نے میری آنکھوں کو خیرہ کر دیا، لیکن جب مجھے یہ خیال کیا کہ یہ لق ودق عمارت کسی مضبوط اور مستحکم بنیاد پر قائم نہیں ہے تو مجھے یقین ہو گیا کہ اس کی بربادی کے دن بہت قریب ہیں، میں نے اس ملک میں نفس پرستی، مادہ پرستی، دولت پرستی، مطلب پرستی، عیش پرستی، انانیت پرستی اور ہوس پرستی کے وہ مناظر دیکھے جو اس کے نبی مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے یکسر منافی تھے، وہ مذہب جس کی تعلیم یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے محبت کریں، ایک دوسرے کی مدد کریں، اگر کوئی اس کے ایک گال پر تھپڑ مار دے تو وہ اس کی طرف اپنا دوسرا گال بھی پھیر دے، وہ مذہب جس کی تعلیم یہ ہے کہ لوگ کل کا خیال نہ کریں، ذخیرہ اندوزی سے بچیں، کل کے لیے کچھ جمع کر کے نہ رکھیں اور قناعت کو اپنا سرمایہ سمجھیں، اس کے پیروکار آج سب سے زیادہ لالچی، سب سے زیادہ خود غرض، سب سے زیادہ دولت کے حریص، سب سے زیادہ قدروں کے خلاف، شخصی فائدے کے لیے بے قرار، لذت وراحت کے سب سے زیادہ دل دادہ اور سب سے زیادہ انتقام پسند واقع ہوئے ہیں۔‘‘

اس مکالمہ سے جہاں یورپ کے زوال کی امیدوں کے چراغ جلتے ہیں، افسوس وہیں مسلم معاشرہ کی زبوں حالی دیکھ کر اور اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت، اسلامی آداب، اسلامی اخلاق، اسلامی سیرت اور اسلامی شریعت سے ان کی دوری دیکھ کر امیدوں کے ان چراغوں کی لو دھیمی ہونے لگتی ہے اور دل میں یہ سوچ کر مایوسی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے کہ اگر یورپ کی تباہی و بربادی کے راستہ پر پڑ جانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی معاشرت دین مسیح کی تعلیمات کے تابع نہیں، وہاں کا طرز زندگی شریعت عیسوی کے مطابق نہیں، اس کے معاملات، طور طریق، رہن سہن، خدائی قانون کے موافق نہیں تو کیا اسلامی دنیا کا موجودہ معاشرہ قرن اول کے مدنی معاشرہ سے کوئی میل رکھتا ہے؟ کیا عقیدہ کی ضمانت لی جاسکتی ہے؟ کیا معاملات کے سلسلہ میں اطمینان کا اظہار کیا جاسکتا ہے؟ کیا موجودہ اخلاق کو اسلامی اخلاق کا نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا طرز زندگی کو سنت وشریعت کے مطابق مانا جاسکتا ہے؟ کیا ہماری تجارت اسلامی اصول پر پوری اترتی ہے؟ کیا ہماری زراعت اسلامی شرائط کو پورا کرتی ہے؟ کیا وراثت وترکہ کی تقسیم اسلامی فقہ کی بنیاد پر ہوتی ہے؟ اکثریت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یقیناً آپ کا جواب ہوگا: نہیں نہیں!

ہمارے نبی ﷺ نے امت کو جو راستہ دکھایا اور اس کے لیے جو ہدایت نامہ جاری فرمایا، امتی ہونے کے دعوے دار ہم میں سے

کتنے لوگ ہیں جو اس ہدایت نامے کی روشنی میں اپنی زندگیاں گذارتے ہیں؟ آقائے دوعالم ﷺ کی شان میں گستاخی پر غم وغصہ کا اظہار بجا بلکہ غیرت، خودداری اور عشق نبویؐ کا لازمی تقاضا ہے، اگر ہمارے دلوں میں حضور پاک ﷺ کی محبت اور جانثاری کا جذبہ نہیں تو پھر ہمارا ایمان بھی سلامت نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے ماں باپ، اولاد اور عام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔''

لیکن اگر حکم عدولی کر کے ذات رسالت کی توہین کا مرتکب خود ہوا جائے؟ آپ ﷺ کے لائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کر کے باغیوں کی صف میں خود شامل ہوا جائے؟ تو غصہ کس پر اترنا چاہیے اور ناراضگی کس کے خلاف ہونی چاہیے؟ زبان نبوت تو یہ کہتی ہے کہ مومن وہ ہے جو اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ حسد سے بچو حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ بدگمانی سے بچو بدگمانی گناہ ہے۔ سود کھانے والا اور کھلانے والا دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ ظلم سے بچو۔ حرص اور بخل سے بچو، حرص اور بخل نے تم سے پہلے قوموں کو ہلاک کیا اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنا خون بہائیں اور حرام کام جائز کرلیں۔ کامل ترین ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ جب تم سالن پکاؤ تو شوربہ زیادہ کردیا کرو اور ہمسایہ کا خیال کرو۔ مومن کی مثال ان کی آپسی محبت، رحم دلی اور مہربانی میں جسم کی طرح ہے، جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم جاگتا ہے اور اس کو بخار آجاتا ہے۔

کیا ہمارا طرز عمل ان ہدایات کے مطابق ہے؟ کیا ہم ایک دوسرے کی تکلیف محسوس کرتے ہیں؟ کیا کسی مسلمان کی کراہ ہمارے دل کو تڑپاتی، ہماری آنکھ کو رلاتی اور ہماری نینداڑاتی ہے؟ کیا ہماری مجلسیں الزام تراشی، عیب جوئی، کردارکشی اور غیبت جیسی گھناؤنی حرکتوں سے پاک رہتی ہیں؟

آج پڑوسی پڑوسی سے کیوں ناراض ہے؟ ہمارا معاشرہ گروہی عصبیت کا کیوں شکار ہے؟ دلوں میں حسد اور آنکھوں میں نفرت کی آگ کیوں سلگ رہی ہے؟ فریب دہی، دھوکہ دھڑی اور جعل سازی کے واقعات ہمارے معاشرے میں کیوں پیش آرہے ہیں؟ خاندانی رنجشوں، شوہر بیوی کے جھگڑوں، باپ اور بیٹوں کے درمیان تلخیوں نے وبائی شکل کیوں اختیار کرلی ہے؟ اسراف وفضول خرچی کے مناظر غریب مسلمانوں کو محرومی کا احساس کیوں دلارہے ہیں اور شکست وریخت اور ذلت ورسوائی اور ناکامی وپسپائی ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑرہی ہے؟

وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ ہماری معاشرت شریعت کے تابع نہیں ہے اور ہماری خواہشات تعلیماتِ نبویؐ کے پابند نہیں اور جب تک ہماری معاشرت شریعت کے تابع نہ ہو اور مسلم معاشرہ میں اسلامی قوانین کی بالادستی نہ ہو اور سرکشی، نافرمانی اور تعلیمات نبویؐ کی خلاف ورزی کا سلسلہ جاری رہے، ہم سائنس، ٹکنالوجی، صنعت، اسلحہ سازی اور تمام علوم وفنون میں جتنی ترقی کرجائیں، اس ترقی کے نتائج ہمارے حق میں بہتر نہیں نکلیں گے، کیونکہ ہمارا مستقبل دین سے وابستہ ہے اور دین ہی ہماری ہر ترقی کی بنیاد ہے، قرآن کریم کا صاف اعلان ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (مت افسوس کرو، مت غم کرو، اگر تم مومن ہو (شریعت پر کاربند ہو) تو تم ہی غالب آکر رہوگے۔)

دوسروں کے زوال کے خواب آنکھوں میں سجانے کے بجائے ہمیں اپنے اندر تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، ہماری حیثیت دوسری قوموں سے مختلف ہے، ہماری ترقی کا دارومدار صرف مادی ذرائع کے حصول میں نہیں بلکہ مادی وسائل اور روحانی تقاضوں کو یکجا کرنے میں ہے، اخلاص کے ساتھ بصیرت سے کام لینے میں اور معاشرت کو شریعت کا پابند بنانے میں ہے، تب ہم دنیا کے نقشہ پر اسی حیثیت سے ابھر سکتے ہیں جس حیثیت سے دنیا نے ہمیں کبھی دیکھا تھا۔

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

زن پرستی وحسن پرستی کی ممانعت:

”وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي اسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ.“ (اور عورتوں سے بچو، پہلا فتنہ بنی اسرائیل میں عورتوں کی ذات سے پیدا ہوا۔)

حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا کہ عورتوں کے بارے میں بھی ہوشیار رہو۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ فتنہ بڑا خطرناک ہے، بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں، دنیا میں جو فتنے ہوتے ہیں ان میں عورتوں کا فتنہ بہت ہی سخت ہے، اسی لیے فرمایا کہ بنی اسرائیل بھی سب سے پہلے اسی فتنہ میں مبتلا ہوئے اور قرآن مجید کے اندر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے جس فتنہ اور آزمائش کا ذکر کیا وہ یہی آزمائش ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ﴾(آل عمران: ١٤)

(لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت خوش نما کردی گئی ہے عورتوں کی اور بچوں کی اور ڈھیروں ڈھیر سونے اور چاندی کی اور نشان لگے ہوئے گھوڑوں اور چوپایوں اور کھیتی کی۔)

آیت شریفہ میں دنیا کے ان تمام خزانوں اور چیزوں میں سب سے پہلی جس چیز کا ذکر کیا گیا وہ عورتوں کا ہے، عورتوں کا فتنہ بڑا خطرناک ہے، اس لیے کہ جب آدمی اس میں مبتلا ہوتا ہے تو بعض مرتبہ وہ اپنا ایمان بیچ دیتا ہے، علم بیچ دیتا ہے، صلاحیتیں بیچ دیتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ یہ تھوڑے دن کا سودا ہے اور اس کے بعد اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

عورتوں کے فتنے میں ایک حسن کا فتنہ بھی ہے جو بڑا خطرناک ہے، بعض اوقات اس میں لوگ مبتلا ہوتے ہیں اور اس کی بنیاد پر شادیاں بھی کرلیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ تھوڑی دیر کی جو یہ دل لگی تھی، بعد میں اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ شروع میں آدمی حسن کے فریب میں مبتلا ہوجاتا ہے، لیکن بعد میں جب سلوک کا مرحلہ آتا ہے تو نئی نئی باتیں پیدا ہونے لگتی ہیں، یہاں تک کہ تعلقات ختم ہوجاتے ہیں اور طلاق کی نوبت آجاتی ہے اور اگر نوبت یہاں تک نہیں پہنچتی تب بھی آدمی کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حسن کب تک اور کہاں تک رہے گا؟

اس وقت عام طور پر لوگ حسن کی بنیاد پر شادی کرنے میں جلدبازی سے کام لیتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ

”إن المرأة تنكح على دينها ومالها وجمالها فعليك بذات الدين تربت يداك.“(سنن الترمذی: ١١٠٩)

(بلاشبہ عورت سے نکاح اس کی دین داری، اس کے مال اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے کیا جاتا ہے، لیکن تمہیں دین دار سے نکاح کرنا چاہیے، تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔)

آپ ﷺ نے دین کی بنیاد پر شادی کرنے کا حکم دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری پانچوں انگلیاں گھی میں رہیں گی، یعنی تمہارے مزے ہی مزے رہیں گے، تمہیں دنیا کی ساری راحتیں مل جائیں گی، تمہیں ایک خدمت گذار بیوی مل جائے گی جو دین پر آمادہ کرنے والی ہوگی اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گی۔ اس میں یہ ممکن ہے کہ حسن کا جو مزہ ہے وہ تھوڑی دیر کے لیے اتنا تمہیں نہ آسکے، لیکن اس مزے کی جو حقیقت ہے، جو زندگی کا مزہ ہے، وہ اسی کے ذریعہ سے حاصل ہوگا جو دین دار ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے عورتوں کے جمال کی بنیاد پر شادی کرنے کا خاص طور پر ذکر کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی

ایک فتنہ ہے اور اس پر کبھی کبھی آدمی ایسا فریفتہ ہوتا ہے کہ محبت کرتا ہے اور شادی بھی کر لیتا ہے، اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ بیوی کی فرمائشیں ختم ہی ہونے کو نہیں آتیں، جن میں جائز بھی ہوتی ہیں اور بعض اوقات ناجائز بھی اور ایسی صورت میں میاں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ جس طرح دم ہلاتا ہوا کتا ہوتا ہے، یا غلام ہوتا ہے، اس سے جو کہا جائے وہ کرتا ہے، چاہے جائز ہو یا ناجائز۔

تحدیث نعمت کی اجازت:

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا امتحان کے لیے بنائی ہے اور اس میں ہمیں اس لیے بھیجا ہے تاکہ وہ ہمیں آزما سکے کہ ہم کیا کرتے ہیں؟ اس لیے ہم میں سے ہر شخص کو اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی گذارنی چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ حلال کیا ہے؟ حرام کیا ہے؟ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ اور ہماری اس زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ زندگی ہمیں اس لیے نہیں دی کہ ہم اس میں مست ہو کر سب کچھ بھول جائیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی واضح رہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کی جو راحتیں اور نعمتیں رکھی ہیں، ان کا استعمال کرنے کی یقیناً ہمیں اجازت ہے:

﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحیٰ: ۱۱)

(اور جو آپ کے رب کی نعمت ہے اس کو بیان کرتے رہیں)

اس کے اندر اگرچہ نعمتوں میں اصل نعمت دین کی نعمت مراد ہے، لیکن یہ بھی بات کہی جاتی ہے کہ دنیا کی جو بھی نعمتیں ہیں ان کا ظہور ہونا چاہیے، یعنی آدمی کے پاس جو کپڑے ہیں وہ کپڑے پہنے، لیکن اس میں غلو نہ ہو اور غلو کا مطلب یہی ہے کہ جو حقوق ہیں ان کی بھی ادائیگی ساتھ ساتھ ہوتی رہے۔ اگر یہ ترتیب چلے گی تو انشاء اللہ یہ دنیا ہمارے لیے راحت کا ذریعہ بنے گی، آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنے گی اور ہم اس امتحان میں کامیاب ہوں گے جو دنیا کے ذریعہ اللہ نے ہم سے لیا، ورنہ یہ دنیا تو انسان کو بعض مرتبہ ایسے گہرے غار میں جا کر گرا دیتی ہے کہ آدمی کے لیے بچنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

تقویٰ کا مقام

داعی اسلام حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

”انسان کا شرک سے اور کبیرہ گناہوں سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان سے غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے ورنہ انسان تقویٰ سے خارج ہو جائے گا، اسی لیے مؤمن توبہ کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، لہٰذا جب انسان توبہ کرتا ہے تو وہ تقویٰ کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے، اس لیے توبہ کرتے رہنا چاہیے پھر گناہ صغیرہ سے بچنا چاہیے اور برے خیالات وجذبات سے بھی بچنا چاہیے، مباحات سے بھی بچنا چاہیے، کیونکہ یہ چیزیں ایمرجنسی ڈور Door یا ونڈو Window کی طرح ہوتی ہیں جن کو عام طور پر نہیں کھولا جاتا بلکہ ایمرجنسی پڑنے پر ہی کھولا جاتا ہے، ایسے ہی اسلام میں جو مباحات ہیں ان کا بھی یہی درجہ ہے، ان کو اسی وقت کھولا جاتا ہے جب اصلی دروزاہ بند ہو جائے اور اگر اس وقت نہ کھولا جائے تو وہ اندر ہی مر جائے گا، لہٰذا ”مباح“ عمل کے لیے نہیں، ایمرجنسی کے لیے ہے، جیسا کہ طلاق کا معاملہ ہے جو کہ بالکل آخری مرحلہ میں استعمال کی اجازت دی جانے والی چیز ہے، الغرض تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو خرافات سے بچاتا رہے۔“ (باطنی صفات: ۹۵-۹۶)

خلع کے شرعی احکام

مفتی راشد حسین ندوی

خلع کے معنی:

خلع کے لغوی معنی اتارنے اور الگ کرنے کے ہیں، قرآن مجید میں زوجین کوایک دوسرے کالباس کہا گیا ہے، لہٰذا اس رشتہ کے ختم کرنے کوخلع کہا گیا، جب یہ مصدری معنی میں ہو تو خاء پر فتحہ ہوتا ہے اور اس کا حاصل مصدر خاء کے ضمہ کے ساتھ آتا ہے اور فقہ کی اصطلاح میں خلع یہ ہے کہ شوہر کچھ مال لے کر خلع یا اس کے ہم معنی الفاظ (مثلاً: لفظ مبارات) کے ذریعہ نکاح کی ملکیت زائل کردے۔ (شامی:۲/ ۴۰۶-۴۰۵)

خلع کے احکام:

جس طرح اسلام میں یہ جائز ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے لیکن اس کو حدیث شریف میں حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اگر کسی وجہ سے عورت شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہے اور شوہر طلاق نہیں دینا چاہتا ہے تو عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ شوہر کو کچھ دے دلا کر اسے خلع پر آمادہ کرلے، پھر اس کی کئی شکلیں ہیں اور ہر شکل کے الگ احکام ہیں۔لیکن بلاوجہ خلع لینے والی عورت کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد)

(۱) ایک شکل یہ ہے کہ زیادتی شوہر کی طرف سے ہو جس کی وجہ سے بیوی اس سے علاحدہ ہونا چاہتی ہے، اس صورت میں حکم یہی ہے کہ شوہر کے لیے کچھ بھی لینا مکروہ ہے، اس کو چاہیے کہ بغیر کسی عوض کے بیوی کو نکاح سے آزاد کردے۔

(ہدایہ مع الفتح:۴/ ۶۱)

اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَاراً فَلاَ تَأْخُذُواْ مِنْهُ شَيْئاً أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيناً☆وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقاً غَلِيظاً﴾(النساء: ۲۰-۲۱)

(اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدل کرلانا چاہو اور تم ایک کو ڈھیر سارا مال دے چکے ہو، تو اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو، کیا تم اس کو بہتان کے راستہ سے اور کھلا گناہ کر کے لوگے اور تم اس کو کیسے لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کے دخیل رہ چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد کر رکھا ہے۔)

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ زیادتی شوہر کی طرف سے نہ ہو، لیکن عورت کسی وجہ سے اس کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہو، تو اس صورت میں شوہر اگر مہر دے چکا ہے تو وہ مطالبہ کرسکتا ہے کہ اسے مہر واپس کیا جائے، تبھی خلع کروں گا اور اگر ابھی نہیں دیا ہے تو کہہ سکتا ہے کہ مہر معاف کیا جائے تبھی خلع کرے گا، لیکن اگر اس سے زیادہ طلب کرے تو مکروہ ہوگا۔(شامی:۲/ ۶۰۹، ہدایہ مع الفتح:۴/ ۶۲)

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میں ثابت بن قیس پر کسی دینی یا اخلاقی چیز کا عیب نہیں لگاتی، لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں (اشارہ کنایہ میں کہہ رہی ہیں کہ میں ان کے ساتھ رہ نہیں سکتی) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم (مہر میں دیا ہوا) ان کا باغ ان کو واپس کردوگی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تو آنحضور ﷺ

نے حضرت ثابت سے فرمایا کہ باغ قبول کرلو اور بیوی کو ایک طلاق دے دو۔(البخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع: ٥٢٧٣)

لیکن پہلی شکل میں جب کہ زیادتی شوہر ہی کی طرف سے ہو اور وہ کچھ لیے بغیر خلع پر آمادہ نہ ہو، یا دوسری شکل میں مہر سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو قضاءً اسی کی بات پر فیصلہ ہوگا، اگر چہ اس میں کراہت رہے گی۔(شامی:۲/۶۰۹)

اس لیے کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئاً إِلَّا أَن يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾(البقرة: ٢٢٩)

(اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم نے ان کو جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے کچھ بھی لو، الا یہ کہ دونوں کو اس کا ڈر ہو کہ وہ احکاماتِ الٰہی قائم نہ رکھ سکیں گے، سو اگر تمہیں اس کا ڈر ہو کہ وہ دونوں احکاماتِ الٰہی قائم نہ رکھ سکیں گے تو (ایسی صورت میں) عورت جو مالی معاوضہ دے اس میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔)

خلع کی حیثیت:

جب شوہر خود سے خلع کی پیشکش کرے تو شرعی اعتبار سے یہ پیشکش یمین کے حکم میں ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اس نے مال کے قبول کرنے پر طلاق کو معلق کردیا ہو، لہٰذا اب یمین ہی کی طرح یہ پیشکش صرف مجلس پر محدود نہیں ہوتی ہے اور شوہر اس سے رجوع بھی نہیں کرسکتا ہے اور اگر خلع کی پیشکش عورت کی طرف سے ہو تو اس کی حیثیت عقد معاوضہ کی ہے اور عقد معاوضہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک ایجاب کرے تو دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے وہ اپنے ایجاب سے رجوع کرسکتا ہے لہٰذا عورت پیشکش کرے تو شوہر کے قبول کرنے سے پہلے عورت اپنی پیشکش واپس لے سکتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ پیشکش صرف مجلس تک محدود رہتی ہے، مجلس ختم ہونے کے بعد ختم ہوجاتی ہے۔(شامی:۲/۶۰۶-۶۰۷)

خلع سے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے؟

جب شوہر لفظ خلع کے ذریعہ اپنی بیوی کو قید نکاح سے آزاد کرے تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے، البتہ اگر کوئی تین طلاق کی نیت کرے تو تین طلاق واقع ہوں گی، لیکن اگر تین طلاق کی نیت کے بغیر لفظ خلع کو تین بار کہے تو اس سے صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔(شامی:۲/۶۰۸)

خلع میں کیا معاف ہوتا ہے کیا نہیں؟

اس مسئلہ کی کئی صورتیں ہوتی ہیں، چنانچہ اگر مہر کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا گیا تو اگر ابھی شوہر نے مہر نہیں دیا تھا تو اب اس سے ساقط ہوجائے گا اور اگر دے چکا تھا تو اب واپس نہیں لے سکتا اور اگر بلا معاوضہ خلع کی صراحت کی گئی ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر کوئی مالی حق معاف نہیں ہوگا اور اگر کل مہر کے بدلہ خلع کیا گیا تو عورت نے اگر قبضہ کرلیا ہو تو شوہر واپس لے لے گا اور قبضہ نہ کیا ہو تو معاف ہوجائے گا (اور ظاہر بات ہے کہ کسی متعین چیز پر خلع کیا ہو تو وہ چیز دینی ہوگی) اور عدت کا نفقہ بھی معاف ہوگا جب اس کی الگ سے صراحت کی ہو، ورنہ بغیر صراحت کے خلع کی ہو تو عدت کا نفقہ دینا ہوگا۔(شامی:۲/۶۱۴)

خلع کے لیے قاضی کے فیصلہ کی شرط نہیں ہے:

خلع میاں بیوی باہمی رضامندی سے بھی کرسکتے ہیں، اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ معاملہ کو قاضی کے پاس پیش کیا جائے، البتہ عقد خلع میں جو کچھ طے پائے بہتر یہ ہے کہ اس کی تحریر لکھ لی جائے، میاں بیوی کے دستخط کروالیے جائیں تاکہ آئندہ کوئی قانون دشواری پیدا نہ ہو۔(المبسوط:۶/۱۸۳)

کون سے اموال بدلِ خلع بن سکتے ہیں؟

وہ تمام چیزیں خلع کا بدل بن سکتی ہیں جو مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہوں اور اگر شراب اور خنزیر جیسی کسی حرام چیز کو بدلِ خلع مقرر کیا تو خلع ہوجائے گا اور عورت پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

(ہندیہ:۱/۴۹۴)

انسانی بنیادیں

ایک صالح انسانی معاشرہ کی ضامن

عبدالسبحان ناخداندوی

انسانیت کی تین بنیادیں ہیں؛ پہلی محبت اور پیار ہے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ سچا تعلق رکھنا اور سچی محبت کرنا۔

انسانیت کی دوسری بڑی بنیاد لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔

انسانیت کی تیسری بڑی بنیاد جس پر ملک قائم ہوتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر تمام چیزیں اپنی اصل جگہ پر رہتی ہیں، وہ ''انصاف'' ہے۔ گویا محبت، خدمت اور انصاف' یہ تین بنیادیں ہیں جن کو لے کر اس وقت ہمیں گھر گھر جانے کی ضرورت ہے۔

آپ یاد رکھیں! ہماری حیثیت صرف چشموں اور کنوؤں کی نہ ہو جن میں صاف شفاف پانی بہتا رہتا ہے، لوگ ہمارے پاس آئیں اور اپنی پیاس بجھائیں، ہم صرف اسی حد تک نہ رہیں بلکہ ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ بادل بن جائے جو جگہ جگہ جاتا ہے' برستا ہے، پیاسی زمین کو سیراب کرتا ہے اور اس سے ہر طرح کے کھیت اگتے ہیں اور ہر طرح کے باغ وجود میں آتے ہیں۔ ہمارا یہ ملک ایک باغ اور گلستاں ہے جس میں طرح طرح کے پھول کھلتے ہیں، ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم اس گلستاں کو ہمیشہ گلستاں ہی رکھیں گے۔

پیار اور پریم کس چیز کا نام ہے؟ کیا پیار صرف یہی ہے کہ آدمی کسی سے I love you کہہ دے؟ ظاہر ہے یہ تو ایک زبانی دعویٰ ہوا، لیکن حقیقی پیار اور پریم وہ ہے جو تین بنیادوں پر ہو:

(۱) اگر ہم کسی سے ملیں تو مسکرا کر خندہ پیشانی کے ساتھ ملیں۔

(۲) ہم سے جو بھلائی ممکن ہو، ہم وہ بھلائی اس کے ساتھ کریں۔

(۳) ہماری کوشش ہو کہ ہم ہر ایک کو تکلیف سے محفوظ رکھیں۔

اگر دیکھا جائے تو اسی چیز کا نام پریم ہے، اگر دل کے اندر سچی محبت ہوگی تو انسان دوسرے کا دکھ درد دیکھ کر تڑپے گا اور اس کی حیثیت اس چراغ کی سی ہوگی جو قطرہ قطرہ پگھلتا ہے، لیکن دوسروں کو روشنی فراہم کرتا ہے، وہ خود پگھل کر فنا ہو جاتا ہے، لیکن دوسروں کے گھروں میں ایک روشنی اور نور مہیا کرتا ہے تا کہ لوگ صحیح راستے پر چلیں اور اپنے گھروں اور منزلوں تک پہنچ جائیں۔ ہم میں سے ہر ایک کی حیثیت اسی چراغ کی سی ہونی چاہیے، ہم میں سے ہر ایک کی حیثیت اس پھول کی سی ہونی چاہیے جو خوشبو بکھیرتا ہے، جو یہ نہیں دیکھتا کہ کون اپنا اور کون پرایا ہے؟

آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے آنحضرت ﷺ نے پوری انسانیت کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ

''الخلق عيال الله، خير الناس من نفع الناس.''

(پوری مخلوق اللہ کا ایک کنبہ (سب اسی کے محتاج) ہیں اور سب سے بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔)

اس دنیا میں اپنے لیے ہر کوئی زندگی بسر کرتا ہے، ایک جانور بھی اپنے لیے زندگی بسر کرتا ہے، وہ جہاں اپنے فائدے کی چیز دیکھتا ہے وہاں منہ مارتا ہے، ایک پرندہ بھی اپنا گھونسلہ بناتا ہے اور بسر کرتا ہے، لیکن زندگی اور انسانیت کا کمال یہ ہے کہ انسان دوسروں کے لیے زندگی بسر کرنا سیکھے، دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھنا سیکھے۔

عرب کے قدیم معاشرے میں خاندانوں اور قبائل کی بنیاد پر باتیں ہوتی تھیں اور یہ کہا جاتا تھا کہ

''انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً.''

(اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔)

یعنی ان کے یہاں بنیاد یہ تھی کہ سامنے والا ہمارا بھائی ہے چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، اس لیے ہم صحیح غلط کچھ نہیں دیکھیں گے

بلکہ ہم اس کا ساتھ دیں گے۔ ایک دفعہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے، آپ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ میں جو تربیت کر رہا ہوں اور جو تعلیم دے رہا ہوں، لوگوں پر اس کا کتنا اثر ہے؟ اس لیے آپ نے بھی وہی پرانی بات کہی کہ

"انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً."

(اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔)

جب صحابہؓ نے یہ بات سنی تو انہیں اسلامی تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! مظلوم کی مدد کرنا تو ہماری سمجھ میں آتا ہے، لیکن ہم ظالم کی مدد کس طرح کریں گے؟ تب آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے، اس کا ہاتھ پکڑا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تو انسان ہے، انسانوں پر ظلم مت کر۔

آپ ﷺ نے ایک موقع پر سچے مسلمان کی تعریف یوں فرمائی:

"المسلم من سلم الناس من لسانه ويده."

(سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے تمام انسان محفوظ ہوں۔)

پیام انسانیت میں یہی چیز سکھائی جاتی ہے۔ یاد رکھیں! سچا مذہب کبھی انسانیت کے خلاف نہیں ہوسکتا، اس لیے سچے مذہب پر عمل کیا جائے اور صحیح زندگی اپنائی جائے، دردِ دل کو عام کیا جائے، ہر جگہ روشنی کی جائے، لیکن اس کے لیے ہمیں کام کرنا پڑے گا، باتیں تو ہر آدمی کرتا ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ باتیں کرنا غلط ہے، باتیں کی جائیں گی، ایک دوسرے تک اپنے سچے خیالات کو پہنچایا جائے گا، لیکن اس سے بڑھ کر یہ چیز ہے کہ ہم سب سے بہتر کام کرنے والے بن جائیں اور یہ بات رکھئے! بڑے بڑے کام اسی وقت ہوسکتے ہیں جب ہم چھوٹے چھوٹے کام کریں گے مثلاً: ہمارے گھر کے قریب کس کا گھر ہے؟ ہمارا پڑوسی کون ہے؟ ہمارے محلے میں کون کون رہتا ہے؟ اس میں یہ نہ دیکھا جائے کہ کون مسلمان ہے اور کون ہندو؟ بلکہ ہم یہ دیکھیں کہ ان میں ضرورت مند کون ہے؟ اس کی ضرورتوں کو ہم پورا کریں، اگر آج ہم چھوٹے چھوٹے کام کریں گے، تو کل وہ دن بھی آئے گا کہ ہمارا مالک وآقا ہم سے بڑے کام لے گا۔

ہمیں کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک اور آسام سے لے کر راجستھان یا گجرات کے آخری کونے تک ہر جگہ جانا پڑے گا، ہمیں محنت کرنی پڑے گی، ہمیں اپنے آرام کو قربان کرنا پڑے گا اور زندگی کا مزہ تو اسی میں ہے کہ آدمی دوسروں کے کام آئے، اگر خود کچھ کھائے گا تو اس کا پیٹ بھر جائے گا، لیکن جب دوسروں کو کھلائے گا تو اس کے من کو جو شانتی ملے گی اور دل کو جو سکون ملے گا، اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو ملک کے کسی ایک طبقے کا نہیں بلکہ ہر ایک کا ہے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا ہندو، سکھ ہوں یا عیسائی۔

ضرورت ہے کہ ہر چیز سے بالاتر ہوکر اس فریضہ کو انجام دیا جائے، ایک سچی زندگی بسر کرنے کی کوشش کی جائے، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ امن کا ماحول ہوگا اور آدمی کی صلاحیتیں پنپیں گی اور اگر خوف کا ماحول ہوگا تو آدمی صحیح طریقہ پر کام نہیں کر پائے گا۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس وقت ہماری مشرقی تہذیب کی خصوصیات بھی ختم ہوتی چلی جارہی ہیں، آج کے زمانہ میں چھوٹوں کو بڑا کا کوئی ادب ولحاظ نہیں ہے، خاص طور پر موبائل نے بچوں کو ماں باپ سے جدا کردیا، آدمی اپنے گھر میں رہتا ہے، مگر اپنے باپ کا نہیں، اپنی ماں کا نہیں، البتہ دوستوں کے پاس ٹہلنے کے لیے وقت ہوتا ہے، اس لیے ہمیں نئی نسل کی اخلاقی اصلاح بھی کرنا ہے اور انہیں بھی انسانیت کا درد سکھانا ہے۔

ہمارا وہ مالک جس نے ہمیں زندگی دی، دل دیا، دماغ دیا، آنکھیں دیں اور دل کی ہر ہر دھڑکن عطا کی، کیا وہ ہم سے حساب نہیں لے گا اور ہم سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تم نے ان نعمتوں کا استعمال کس طرح کیا؟ اس لیے ہر انسان ایک سچی زندگی بسر کرے اور تمام انسانوں کے لیے اپنے آپ کو قربان کردینے اور تیاگ دینے والا بن جائے، اسی ذریعہ سے اس ملک کی اور انسانیت کی ترقی ممکن ہے، جس کی بنا پر ایک صالح انسانی معاشرہ وجود میں آئے گا۔

چند مہلک بیماریاں

محمد امین حسنی ندوی

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:
”قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ جب لوگوں میں گانے والیوں اور باجوں کا رواج ہو جائے اور جب نشہ آور اشیاء کثرت سے استعمال کی جانے لگیں اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگ جائیں اور ان پر لعنت بھیجیں تو اس وقت تم انتظار کرو سرخ آندھی اور زلزلے، زمین میں دھنس جانے، صورتوں کے مسخ ہونے اور پتھروں کے برسنے کا اور کچھ نشانیوں کا جو اس طرح پے در پے آئیں گی جیسے موتیوں کی بوسیدہ لڑی کا دھاگہ ٹوٹتا ہے اور اس کے دانے گرنے لگتے ہیں۔“

دنیا جس طرح تیزی سے ترقی کی طرف گامزن ہے، ترقی اور فیشن کے نام پر نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں، اسی طرح تیزی سے اخلاقی گراوٹ کی طرف بھی گامزن ہے۔ قرآن وحدیث میں جن چیزوں کو ناجائز کہا گیا ہے انہی چیزوں کو اختیار کیا جا رہا ہے، ظاہری اعتبار سے دنیا ترقی کر رہی ہے، لیکن حقیقت میں پستی اور حد درجہ گراوٹ کی طرف جا رہی ہے، آج یورپ خود جن چیزوں سے گھن کرنے لگا ہے، عالم عربی اور ایشیاء کے ممالک ان گندگیوں کو قبول کرنے کے لیے بے چین نظر آتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

”ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف، ولينزلن أقوام إلى جنب علم يروح عليهم بسارحة لهم يأتيهم -يعني الفقير- لحاجة فيقولوا ارجع الينا غداً، فيبيتهم الله ويضع العلم ويمسخ آخرين قردة وخنازير إلى يوم القيامة.“ (رواه البخاري)

(میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال سمجھیں گے اور کچھ لوگ اپنی بکریوں کو لے کر ستانے کے لیے ایک بلند پہاڑ کے دامن میں ٹھہریں گے، اسی دوران میں ان کے پاس ایک حاجت مند شخص آکر کچھ مانگے گا، یہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کل آنا مگر رات ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب انہیں آپکڑے گا، پہاڑ ان کے اوپر آگرے گا، ان میں سے کچھ تو ہلاک ہو جائیں گے اور جو باقی بچیں گے انہیں قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا۔)

شراب کی لت:

انسان خواہشاتِ نفسانی میں اس حد تک آگے بڑھ چکا ہے کہ اس کو حلال وحرام کا احساس نہیں، وہ بس خواہش پوری کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو، موجودہ انسانی زندگی صرف انسان کو اپنے تک محدود رکھتی ہے، اس وقت دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شراب نوشی اس قدر عام ہو چکی ہے کہ اچھے اچھے گھرانوں میں شراب پی جا رہی ہے، شراب جس کو ام الخبائث کہا گیا ہے، اس کو ساری خرابیوں اور سارے بگاڑ کی جڑ بتایا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان جب شراب پی لیتا ہے تو اس کو کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا، جو چاہتا ہے کرتا ہے، لڑائی جھگڑا، زناکاری، گری ہوئی حرکتیں کرتا ہے اور اسی شراب کی وجہ سے دوسری خرابیاں اس کے اندر منتقل ہو جاتی ہیں۔ شراب کی حرمت کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوا تاکہ نسل انسانی کی حفاظت ہو سکے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے، شراب پیتے وقت مؤمن کا ایمان نہیں رہتا، شراب پینے والے پر اللہ کی لعنت ہے، شراب کے نقصانات بہت ہیں جن میں آپس میں بغض وعداوت، آپس کی لڑائیاں، نیک جذبات کا خاتمہ، گندے اور برے خیالات کا آنا، سماجی تباہ کاریاں۔ اسی طرح جسمانی خرابیاں بھی لاحق ہوتی ہیں، گویا شراب سے انسان کا جسم بھی متاثر ہوتا ہے

اور دماغ بھی۔حدیث شریف میں آتا ہے:

"ليشربن ناس من أمتي الخمر يسمونها بغير اسمها يعزف على رؤوسهم بالمعازف والمغنيات يخسف الله بهم الأرض ويجعل منهم القردة والخنازير." (ابن ماجة)

(میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کو کسی دوسرے نام سے موسوم کریں گے، ان کے سروں پر گانے والی عورتیں آلاتِ موسیقی کے ساتھ گیت گائیں گی، اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔)

میوزک کی لت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُواً أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (لقمان: ٦)

(اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو لغو باتیں خریدتے ہیں تاکہ بے علمی سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکائیں اور اسے ہنسی بنائیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسواکن عذاب ہے۔)

یہ ایک بڑا مسئلہ ہے، نت نئے آلات نے انسان کی زندگی کو بے حیثیت بنا دیا ہے، بچوں سے لے کر بڑوں تک سب گانے اور میوزک کے دل دادہ بنتے جا رہے ہیں، میوزک سے انسان کا دماغ بالکل بے کار ہو جاتا ہے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ڈپریشن میں چلا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل اس کی طرف اشارہ کیا اور اس سے امت کو روکا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''گانا اس طرح دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی سے کھیتی اگتی ہے۔''

زنا کی لت:

معاشرہ میں زناکاری کا مسلسل اضافہ ہونا انتہائی خطرناک بات ہے، زناکاری انسانی معاشرہ کو کھوکھلا کر رہی ہے اور اب یہ گندگی مسلم سوسائٹی میں بھی داخل ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ تنزلی کی طرف جا رہا ہے، آج مغربی تہذیب اپنے ساتھ بے حیائی، عریانیت اور فحاشی لے کر آئی ہے اور مسلم نوجوان اس کا دل دادہ ہوتا جا رہا ہے، انسان کا مزاج ہے کہ اس کی طبیعت اس کی طرف تیزی سے مائل ہوتی ہے۔ زنا کے دنیاوی نقصانات بھی ہیں، دنیاوی ذلت اس کا مقدر بن جاتی ہے، چین وسکون ختم ہو جاتا ہے، طرح طرح کی تکلیفوں و پریشانیوں میں گھرا رہتا ہے، الجھنوں میں پریشان رہتا ہے۔ زناکاری جہاں اس کی زندگی تباہ کرتی ہے، وہیں اس کے پورے گھر کی زندگیاں تباہی کی طرف چلی جاتی ہیں۔

جوئے کی لت:

قماربازی اور جوا ایک ایسا عمل ہے جو بظاہر دیکھنے میں اچھا اور بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن زندگیوں کو تباہ کر دیتا ہے، کتنے واقعات ایسے ہیں کہ جوا کھیلنے والا جوئے میں اپنی بیوی کو ہار گیا، اپنے بچوں کو ہار گیا۔ یہ آخر میں جوا کھیلنے والے کی زندگی کو بھی چھین لیتا ہے، جوا نئے نئے انداز اور نئی نئی شکلوں میں ظاہر ہو رہا ہے، لیکن وہ سب جوا ہے چاہے اس کی شکل کتنی اچھی لگ رہی ہو، افسوس کی بات ہے کہ ہمارے مسلم ممالک میں یہ لعنت بڑی تیزی سے آ رہی ہے۔

ریشمی لباس:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مردوں کے لیے ریشمی لباس حرام قرار دیا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے ریشمی لباس کی کثرت ہوگی اور مرد ریشمی لباس پہنیں گے، ریشمی لباس اسلام میں عورتوں کے لیے جائز ہے، جب کہ مردوں کے لیے ممنوع ہے لیکن موجودہ معاشرہ اس بات کو بالکل بھول گیا ہے اور ریشمی لباس اب مرد پہن رہے ہیں، اسلام نے کسی بیماری کی وجہ سے ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی ہے، خاص کر خارش کی وجہ سے حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی گئی تھی، کیوں کہ ان کو خارش تھی، لہٰذا اگر کوئی شرعی عذر ہو تو ریشمی لباس پہننا جائز ہے۔

مغرب کی شام میں غلطیوں کا تسلسل

زین العابدین ہاشمی ندوی

مغرب، خاص طور پر امریکہ ایک بار پھر شام میں اپنی پالیسیوں کے ذریعے سنگین غلطیوں کا ارتکاب کر رہا ہے۔ شام کے بحران کی ابتدا سے ہی مغرب کی غیر مؤثر پالیسیوں نے نہ صرف شامی عوام کی مشکلات کو بڑھایا، بلکہ خطے میں ایران اور روس کے اثر و رسوخ کو بھی مضبوط کیا۔

شام میں مغرب کی پہلی بڑی غلطی بشار الاسد کے اقتدار کے خاتمے میں ناکامی تھی۔ یہ وہ موقع تھا جب شامی عوام اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اور بشار الاسد کا اقتدار ختم ہونے کے قریب تھا، لیکن مغرب نے اس اہم لمحے پر عملی مدد فراہم نہیں کی اور ایران اور روس نے مداخلت کر کے بشار الاسد کے اقتدار کو بچا لیا۔

باراک اوباما کے دور میں امریکہ کی پالیسیوں نے شام کے بحران کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ اوباما نے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال پر سرخ لکیر کھینچی تھی، لیکن جب بشار الاسد نے اس حد کو عبور کیا تو کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اس غیر فعال رویے نے شامی عوام کو مایوس کیا اور بشار الاسد کو مزید مظالم کرنے کا موقع دیا۔

شام میں مغرب کی ناکامیوں کی ایک بڑی وجہ اسرائیل کی سلامتی پر اس کی حد سے زیادہ توجہ ہے۔ ترکی کے وزیر خارجہ حقان فدان کے مطابق امریکہ نے اسرائیل کی خواہش پر بشار الاسد کو اقتدار میں رہنے دیا، حالانکہ وہ ایرانی موجودگی کو اسرائیل کے لیے خطرہ سمجھتا تھا۔ یہ رویہ ظاہر کرتا ہے کہ مغرب نے شامی عوام کی انسانی ضروریات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی پالیسیوں کو مکمل طور پر جغرافیائی سیاست اور اسرائیل کی سلامتی کے گرد محدود کر دیا۔

آج مغرب ایک بار پھر وہی غلطیاں دہرا رہا ہے۔ شام میں ایک نئی انتظامیہ کے قیام کے باوجود مغرب کی ترجیحات بدستور اسرائیل کی سلامتی پر مرکوز ہیں۔ مغرب نے شام کی حکومت کے لیے سخت شرائط مقرر کی ہیں، لیکن ان میں شامی عوام کی فوری ضروریات کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مغربی میڈیا اور حکام کے بیانات اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ ان کی پالیسیوں میں شام کے عوام کے حقوق اور انصاف کے قیام کی جگہ اسرائیل کی سلامتی کو دی جا رہی ہے۔

ان پالیسیوں کا نتیجہ شامی عوام کے لیے مزید مشکلات اور خطے میں عدم استحکام کی صورت میں نکل رہا ہے۔ بشار الاسد کے جرائم کے خلاف کوئی مؤثر اقدام نہ کرنا اور اسرائیلی حملوں کو روکنے کے لیے کوئی دباؤ نہ ڈالنا مغرب کی ناکامی کا واضح ثبوت ہے۔

شام میں مغرب کی پالیسیوں نے انسانی حقوق اور انصاف کے اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جغرافیائی سیاست کو فوقیت دی ہے۔ اس کے نتیجے میں شامی عوام کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مغرب کو اپنی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہوئے شام کے عوام کے لیے انصاف اور امداد کی فراہمی کو اپنی ترجیحات میں شامل کرنا ہوگا، ورنہ یہ بحران مزید سنگین ہوتا جائے گا۔

مغرب کی یہ تاریخ رہی ہے کہ وہ ساری دنیا میں امن و مساوات کا گیت گاتا ہے، لیکن اس پر عمل درآمد کبھی نہیں کرتا، جس کرب میں شامی عوام ہے اسی کرب میں فلسطینی عوام بھی ہے، لیکن مغرب اپنے سیاسی مفادات سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا، چاہے ہزاروں انسانی جانیں ضائع کیوں نا ہوں جائیں۔

اقوام سابقہ کے واقعات ایک نشانِ عبرت

محمد ارمغان بدایونی ندوی

قرآن میں سابقہ قوموں کے واقعات کو بڑی تفصیل سے مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے، اگر ان واقعات پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر عبرت وموعظت کا ایک سمندر پنہاں ہے۔

قوم نوح ایک طاقتور قوم تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر طرح کے وسائل سے نوازا تھا اور خوب مال ودولت عطا کیا تھا، اسی بنا پر ان سے مطالبہ تھا کہ وہ خدائے واحد کی پرستش کریں اور جادۂ فطرت سے تجاوز نہ کریں لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی بلکہ جھوٹے معبودوں کو اپنا مشکل کشا سمجھا اور نفسانی خواہشات کو سب سے بڑا الٰہ مانا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نوح نے ساڑھے نو سو سال دعوتِ حق دی اور انہیں انسانیت کا پیغام دیا مگر وہ باز نہ آئے۔

قوم عاد دنیا کی ایک طاقتور ترین قوم تھی، اللہ نے اسے علم وہنر کی دولت سے نوازا تھا، مال ودولت اور طاقت وصحت جیسی غیر معمولی نعمتیں بھی عطا کی تھیں اور دنیا میں ترقی کے اعلیٰ مدارج سے ہم کنار ہونے کی صلاحیت سے انہیں مالا مال کیا تھا، جس کے بدلہ ان سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ اپنی زندگی کو خالص اللہ کے لیے گذاریں، دین حنیف کی اتباع کریں اور شیطان کے راستوں کی پیروی نہ کریں۔ اسی پیغام کو حضرت ہود نے برسوں ان کے سامنے دہرایا مگر انہیں توفیق نصیب نہ ہوئی اور بالآخر وہ عتابِ الٰہی کے سزاوار ہوئے۔

قوم ثمود کو اللہ تعالیٰ نے علم وفن کی انتہائی صلاحیتیں عطا کی تھیں، مسطح زمینوں پر عالی شان عمارتوں کی تعمیر اور پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر محل بنانے کی لیاقت ان کا خاص امتیاز تھی، رعب ودبدبہ اور قومی جاہ وثروت کا بھی انہیں بڑا حصہ ملا تھا، لیکن انہوں نے ان تمام نعمتوں کو اپنا فطری حق سمجھا اور کفران نعمت پر ڈھٹائی کے ساتھ جمے رہے، یہاں تک کہ ان پر بھی عذابِ الٰہی نازل ہوا۔

قوم ابراہیم کا ذکر بھی قرآن مجید کے صفحات میں بکھرا ہوا نظر آتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قوم بھی دنیاوی ساز وسامان سے لیس تھی، مال ودولت کی بہتات تھی، سماجی طور پر بھی ایک ممتاز حیثیت کی حامل تھی، مگر دنیا پرست اور ظاہر پرست تھی، مادیت پرستی کی دل دادہ تھی اور توحید کی دعوت سے حد درجہ متنفر تھی۔ انجام کار یہ قوم بھی اللہ کی جانب سے تباہی وبربادی کے تازیانہ کی مستحق ہوئی۔

قوم لوط بھی ایک زور آور اور سماجی اثر ورسوخ رکھنے والی قوم تھی، جس کو اللہ نے صحت وطاقت اور مال ودولت کی نعمت سے بہرہ ور کیا تھا، مگر انہوں نے ان نعمتوں کا استحصال کیا اور اپنے اصل انجام سے بے خبر ہوگئے، یہاں تک کہ (نعوذ باللہ) اپنے پیغمبر کو ہی اپنی سوسائٹی کا سب سے متعفن شخص سمجھنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا عبرت آموز عذاب نازل ہوا اور ہلاکت ان کا مقدر بنی۔

قوم شعیب دنیا کی مال دار ترین قوموں میں سے ایک تھی، جسے اللہ نے آسائش وآرائش کے تمام اسباب فراہم کیے تھے اور دنیاوی وسائل سے خوب لطف اندوز ہونے کا موقع دیا تھا، لیکن اس قوم نے بھی ان نعمتوں کا حق ادا نہ کیا، بلکہ ان کے ذریعہ مظلوموں پر زیادتی کی، اپنا سامراج قائم کیا اور ننگا ناچ ناچا، یہاں تک کہ پیغمبر کی صدا کو بھی اہمیت نہ دی، بالآخر اس قوم کو بھی فنا کی گھاٹ اترنا پڑا۔

ان قوموں کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا جا بجا قرآن مجید میں تذکرہ کیا گیا ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا کے سرکشوں اور عادی مجرموں میں سے تھا، اس کے ظلم اور سامراج کا جادو اپنے زمانہ میں سر چڑھ کر بول رہا تھا، اس کے مظالم نے عوام الناس کی ذہنیت اس قدر مفلوج کردی تھی کہ وہ اس کی خلاف ورزی کو اپنے حاشیہ خیال میں بھی نہیں لا سکتے تھے، بلکہ کور عقلوں نے اس

کی قوت وسطوت کے سامنے خود کو سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

قرآن مجید میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ ان انبیاء میں سے جس کسی نے بھی اپنی قوم میں اصلاح کا کام کیا اور انسانیت کی بات کہی تو قوم نے اس کی پرزور مخالفت کی، اس پر طعن وتشنیع کی، یہاں تک کہ اس کو اپنے سماج سے نکالنے کی سازشیں بھی کیں، لیکن جب پانی سر سے اونچا ہو گیا، حجت تمام ہو گئی اور ظاہری تدابیر مکمل ہو گئیں، تب اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوئی اور گمراہ قوموں کا تختہ پلٹ گیا۔ اگر دیکھا جائے تو ان قوموں کے اندر بنیادی طور پر ایک مرض عام تھا اور وہ ہے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری، اس کی نشانیوں کا انکار، پیغمبروں کی کی توہین، مادیت پرستی اور دنیاوی مظاہر پر فریفتگی۔ یہ وہ مہلک بیماریاں تھیں جنھوں نے ان قوموں کو گھن کی طرح چاٹ کر تباہ و برباد کر دیا مگر وہ اپنے عیش و تنعم اور غلط فہمی کے حصار سے باہر نہ نکل سکے۔

قرآن مجید میں ان قوموں کے تذکروں کو پڑھ کر یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ دنیا میں کسی بھی قوم کا سامراج، کسی بھی طاقت کا رعب اور کسی بھی حکومت کا ظلم و جبر ہمیشہ نہیں رہتا، بلکہ اللہ ایک حد تک انہیں ڈھیل دیتا ہے اور پھر اچانک سخت گرفت فرما لیتا ہے، اسی لیے اہل ایمان کو جا بجا سابقہ قوموں کے واقعات سنا کر تسلی دی گئی ہے، دعوتِ عمل پر ابھارا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ظالموں کے دور دورے سے اور دنیا میں ان کی سطوت سے مرعوب نہ ہوں، فرمایا:

﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ﴾ (جنھوں نے کفر کیا ملکوں میں ان کا دور دورہ ہرگز آپ کو دھوکہ میں نہ ڈال دے۔)

سورۂ انفال میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ﴾ (اور کافر ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ وہ بھاگ نکلے ہرگز وہ عاجز نہ کر سکیں گے)

بعض جگہ اہل ایمان کو ان الفاظ میں بھی تسلی دی گئی ہے:

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشاً فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ﴾ (اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قومیں تباہ کر دیں وہ ان سے زیادہ زور آور تھے تو انھوں نے شہروں کی خاک چھان ماری، کیا ہے کوئی ٹھکانہ؟)

اسی مضمون کی ایک آیت سورۂ انعام میں بھی ہے کہ

﴿أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَاراً وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْناً آخَرِينَ﴾ (کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کو ہم نے زمین میں وہ پکڑ عطا کی تھی جو پکڑ ہم نے تمہیں بھی نہیں دی اور ان پر ہم نے اوپر سے موسلادھار بارش برسائی تھی اور ان کے نیچے سے جاری نہریں بنائی تھیں پھر ان کے گناہوں کی پاداش میں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری نسلوں کو ہم نے کھڑا کر دیا۔)

حاصل یہ کہ اس قبیل کی آیت اہل ایمان کے لیے نہ صرف یہ کہ مایوسی کے بادل چھانٹتی ہے بلکہ انہیں تاریخ کا مطالعہ کرنے اور اس سے سبق حاصل کرنے کی بھی دعوت دیتی ہیں۔ ایک طرف یہ آیات یہ پیغام دیتی ہیں کہ اس دنیا میں ظلم و جبر کا کوئی بہتر مستقبل نہیں ہے بلکہ ہر سامراج کو روبہ زوال ہونا ہی ہے، خواہ کسی کے پاس کیسے ہی وسائل ہوں اور کتنے ہی مضبوط اس کے حمایتی ہوں۔ موجودہ دور میں اہل باطل کی یورش و یلغار، ان کا زور و غلغلہ اور عالمی سطح پر مسلمانوں کی مظلومیت کو دیکھ کر بعض اوقات کچھ لوگ بڑی مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کا تابناک مستقبل نظر نہیں آتا۔ ظاہر ہے اگر کسی شخص نے قرآن کی روشنی میں تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور قوموں کے واقعات پڑھے ہیں تو وہ کبھی بھی ایسی غلط فہمی، مایوسی اور احساس کمتری کا شکار نہ ہوگا۔

دوسری طرف ان آیات میں یہ درس بھی مضمر ہے کہ مسلمانوں کو ہوش کے ناخن لینا چاہیے اور اپنے اندر جذبہ احتساب کو بیدار کرنا چاہیے، انہیں یہ جائزہ لینا چاہیے کہ وہ کس قدر شریعت بیزاری کے مرتکب ہو چکے ہیں اور تعلیماتِ رسول سے انحراف کا شکار ہیں۔ ہمیں یہ بات نہ بھولنا چاہیے کہ ہماری بقا اور سربلندی کا واحد راز یہی ہے کہ ہم کامل اسلام میں مکمل مسلمان بن کر داخل ہو جائیں، بصورتِ دیگر سابقہ قوموں کے واقعات ہمارے لیے بہترین نشانِ عبرت ہیں۔

افاداتِ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

دین کے پانچ اجزاء:

”دین (شریعت) کے پانچ اجزاء ہیں: ایک جزءعقائد کا ہے کہ دل سے اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی جس طور پر خبر دی ہے وہی حق ہے۔اس کی تفصیل کتبِ عقائد سے معلوم ہوگی۔

دوسرا جزءعبادات ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔

تیسرا جزءمعاملات ہیں یعنی احکام نکاح وطلاق وحدود وکفارات وبیع وشراء واجارہ وزراعت وغیرہ اور ان کے جزءِ دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت یہ سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں فلاں چیز کی کرو بلکہ ان میں شریعت یہ بتلاتی ہے کہ کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرو اور اس طرح معاملہ نہ کرو جس میں نزاع اور جھگڑے کا اندیشہ ہو۔غرض جواز اور عدم جواز بیان کیا جاتا ہے۔

چوتھا جزء معاشرت ہے یعنی اٹھنا، بیٹھنا، ملنا جلنا، مہمان بننا، کسی کے گھر پر جانا کیوں کر چاہیے اور اس کے آداب کیا ہیں؟ بیوی بچوں، عزیزوں اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کے ساتھ کیوں کر برتاؤ کرنا چاہیے۔

پانچواں جزءتصوف ہے جس کو شریعت میں ”اصلاحِ نفس“ کہتے ہیں۔آج کل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کے لیے بیوی بچوں اور دوسرے دنیاوی اور معاشرتی امور کو چھوڑنا پڑتا ہے' یہ بالکل غلط ہے، یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے۔

غرض دین کے پانچ اجزاء ہیں، ان پانچوں کے مجموعہ کا نام دین ہے۔اگر کسی میں ایک جزء بھی ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص دین ہے جیسے کسی کے ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص الخلقت ہے۔(بحوالہ:أشرف الطريقة فی الشريعة و الحقيقة: ١٩-٢٠)

تصوف قرآن و حدیث سے مستنبط ہے:

تصوف کے اصولِ صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے' بالکل غلط ہے یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں، مگر دونوں غلط سمجھے۔ خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب واہیات ہے، بس نماز' روزہ' قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اسی کو کرنا چاہیے، یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے۔تو گویا ان کے نزدیک قرآن وحدیث تصوف سے خالی ہیں اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تو ظاہری احکام ہیں' تصوف علم باطن ہے۔ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن وحدیث ہی کی ضرورت نہیں۔

غرض دونوں فرقے قرآن وحدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں پھر اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن اور حدیث کو۔اے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو، خدا سے ڈرو، اس کے متعلق میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں لکھی ہیں؛ ایک تو حقیقت الطریقت جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے۔ایک رسالہ مستقل (مسائل السلوک) جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن وحدیث تصوف سے لبریز ہیں اور واقعی وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن وحدیث میں نہ ہو۔غرض جتنے صحیح اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔(بحوالہ:أشرف الطريقة فی الشريعة و الحقيقة: ٢٥-٢٦)

(مرتب:-مولانا جمال ملپا ندوی بھٹکلی)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 17 ⚜ January 2025 ⚜ Issue: 01

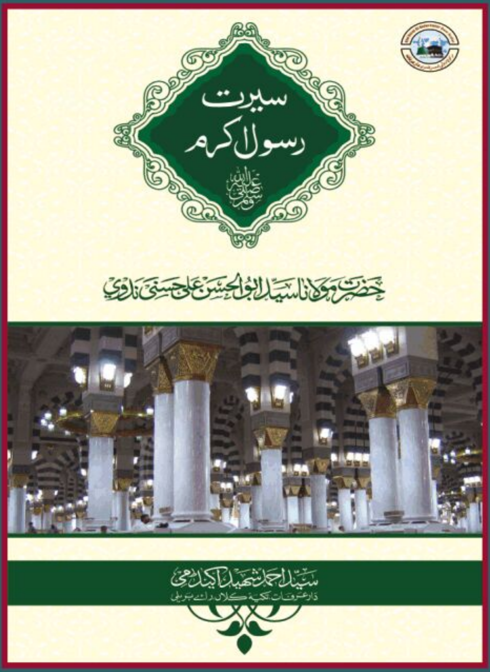

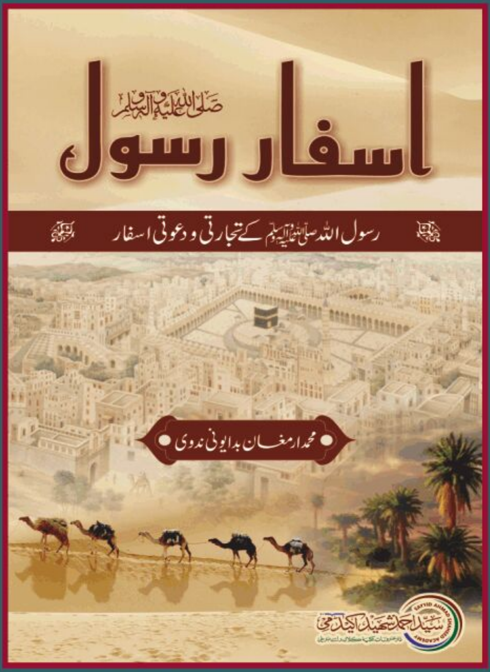

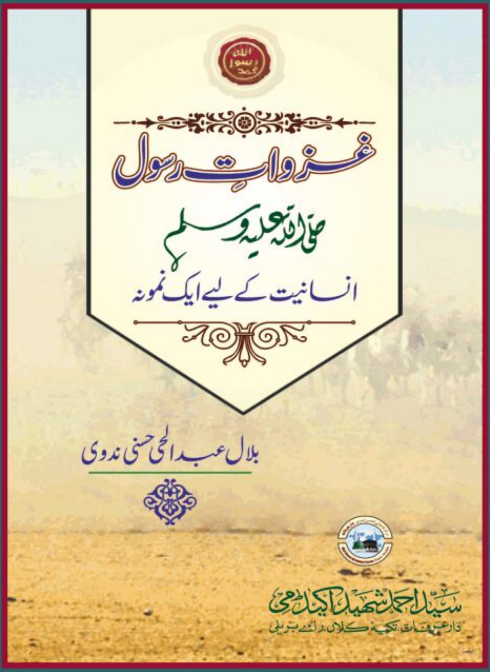

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)